از قاضی اطہر مبارک پوری

ایمان کی حلاوت ولذت :-

(۱) حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک خیاط (درزی) نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اور خاص طور سے کھانا تیار کرایا، میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ گیا، جب آپ پہونچے تو انھوں نے آپ کی خدمت میں جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا، شوربے میں کدو کی قاشیں اور گوشت کی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں، میں نے دیکھا کہ آپ رکابی کے اطراف سے کدو کی قاشیں نکال نکال کر تناول فرماتے ہیں۔

فلم ازل احب الدباء منذ یومئذٍ — اس دن سے میں برابر کدو کو پسند کرتا رہا۔

(۲) حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے، تو گھر والوں نے آپ کے سامنے روٹی رکھی، آپ نے فرمایا کیا سالن نہیں ہے؟ تو جواب دیا کہ سرکہ کے علاوہ اور کوئی سالن موجود نہیں ہے، آپ نے فرمایا سرکہ بہترین سالن ہے۔ حضرت جابر یہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہتے ہیں:

فما زلت احب الخل منذ سمعتها من نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ — جب سے میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا برابر سرکہ کو پسند کرتا رہا۔

(۳) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ [illegible] زمانہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم میرے یہاں

ہجرت کے بعد مقیم تھے، جب آپ کے لئے کھانا آتا تھا تو بچے ہوئے کھانے کو آپ میرے پاس بھیجدیا کرتے تھے۔ ایک دن آپ نے بغیر تناول فرمائے ہوئے کھانا میرے پاس بھجوا دیا کیوں کہ اس کے اندر لہسن پڑا ہوا تھا تو میں نے آپ سے دریافت کیا کہ لہسن حرام ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر اس کی مہک کی وجہ سے ناپسند کرتا ہوں۔ حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے یہ سن کر کہا۔

فانی اکرہ ما کرھت [1]	جس چیز کو آپ ناپسند کرتے ہیں، میں بھی اسے ناپسند کرتا ہوں۔

یہ تین واقعات کھانے پینے کے سلسلہ میں ہیں۔ جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فعلی اور ذاتی سنت پر اپنی خواہشوں اور لذتوں کو قربان کر کے اسے اپنی زندگی میں داخل کر لیا۔ اتباع رسول اور اپنے کو سنت نبوی میں ڈھال لینے کی مثال اس سے بڑھ کر اور کوئی مل سکتی ہے؟

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ (او کما قال)	تم میں سے کوئی شخص اس وقت مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک کہ میری لائی شریعت کے مطابق اسکی خواہش نہ ہو جائے۔

یہاں پر بظاہر یہی ہے کہ آپ کی لائی ہوئی شریعت اور اسکے احکام پر اپنی خواہشوں کو ڈھال لینا تکمیل ایمان ہے۔ مگر شدتِ اتباع اور اطاعتِ رسول کا یہ مقام ایمان کی انتہائی بلندی ہے کہ مومن کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے، بات چیت میں اپنے کو معیارِ رسولؐ پر بنانے کی کوشش کرے۔ ان تینوں واقعات میں ہم سہل پسند، تن آسان اور کام چور لوگوں کے لئے بڑی عبرت و موعظت ہے بشرطیکہ محبت رسول کی روشنی اب بھی باقی ہو۔ یقین فرمایئے اگر آپ کدو اور سرکہ استعمال کریں اور لہسن کی بدبو سے پرہیز کریں اور نیت اتباع رسول ہو تو اس میں ثواب ہے۔ البتہ اسکے ترک پر کوئی مواخذہ نہیں ہے۔ بشرطیکہ اس میں بھی احترام رسولؐ ملحوظ رہے۔

عدل حیدری کے چند مناظر:- حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں ایک ذمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کوئی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ کو اپنی عدالت میں بلایا اور مستغیث نے فریاد کی تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اے ابوالحسن! اپنے حریف کے پہلو میں کھڑے ہو جایئے، یہ سنکر حضرت علیؓ غصہ کی حالت میں اٹھ کر اس کے پہلو میں کھڑے ہو گئے، اور حضرت عمرؓ نے اس مقدمہ کا فیصلہ فرما دیا۔ جب مقدمہ ختم ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ اے ابوالحسن! شاید آپ کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ میں نے اس ذمی کے ساتھ آپ کو آپ کے خصم کے ساتھ کھڑا کر دیا تھا۔ یہ سنکر حضرت علیؓ نے فرمایا

[1] مسلم شریف

کلا وانما ساءنی ان تدعونی بابی الحسن وتدعوہ باسمہ فیدخلہ شیئ من الرھبۃ	ہرگز نہیں، بلکہ یہ بات بری معلوم ہوئی کہ آپ نے مجھ کو میری کنیت ابوالحسن کہہ کر پکارا اور اسکو اس کا نام لے کر پکارا جس کی وجہ سے اس پر کچھ میرا رعب چھا گیا تھا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک ذمی کے معاملہ میں قاضی شریح رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں گئے جب قاضی شریح نے حضرت علیؓ کو آتے دیکھا تو ان کے احترام میں کھڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے فوراً فرمایا۔

ھذا اول جور لک	یہ تمہارا پہلا ظلم ہے . . . . . .

یعنی تمہارا دو خصموں میں سے ایک کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دوسرے پر ظلم ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جب شقی و بدبخت ابن ملجم نے تلوار ماری اور آپ بستر شہادت پر پڑ گئے اور زندگی کی کوئی امید باقی نہیں رہی تو اپنی اولاد اور اقرباء کو بلا کر ان سے فرمایا۔

"اے عبدالمطلب کی اولاد! میں تم کو اس حالت میں نہ پاؤں کہ تم لوگ مسلمانوں کے خون میں خونریزی کرنے لگو اور تم کہو کہ چونکہ مسلمانوں کے امیر قتل کئے گئے ہیں اس لئے ہم ان کے بدلے میں بہت خونریزی کریں گے۔ خبردار! میرے قتل کے بدلے صرف میرا ایک قاتل ہی قتل کیا جائے۔ دیکھو جب اس ضرب سے میری وفات ہو جائے۔ تو اسے بھی ایک وار میں قتل کر دینا اور اسکا مثلہ نہ کیا جائے یعنی ہاتھ پیر وغیرہ نہ کاٹا جائے۔ اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خبردار تم لوگ مثلہ نہ کرنا اگرچہ کاٹنے والا کتا ہی کیوں نہ ہو"۔

یوں تو تمام صحابہؓ ہی عدل و انصاف اور حق کے فیصلہ میں اپنی مثال آپ تھے، اور ان میں کا ہر فرد اسلامی عدالت و انصاف اور مساوات کا علمبردار تھا۔ مگر ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام بہت بلند تھا۔ آپ نے اسلامی عدل و انصاف پر کبھی کبھی آنچ آنے نہیں دی۔ بلکہ اسلامی عدالت میں اپنی ذات کو کسی حیثیت سے بھی ممتاز دیکھنا بھی ظلم و جور سمجھا۔

یہ چند مثالیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف اور قضاء و فیصلہ کی آپ کے سامنے ہیں، آپ بھی اسی طرح اسلام کی عدالت کا احترام کر کے انسانوں کو ان کے حقوق استعمال کرنے میں آسانی پیدا کیجئے، اور سچے مسلمان بن کر اچھے انسان بنئے۔

مومن ہنس مکھ ہوتا ہے:- دین و ایمان کی زندگی باغ و بہار کی زندگی ہوتی ہے، مومن ہر وقت ہشاش بشاش

رہتا ہے۔ اسکی پیشانی چمکتی رہتی ہے، اس کا چہرہ دمکتا رہتا ہے، اس کے چہرے بشرے سے خوشی، مسرت، اطمینان اور سکون کا اظہار ہوا کرتا ہے۔ اور جس مجلس میں سچا مومن چلا جاتا ہے اس میں گویا جان سی آجاتی ہے، یہ بات اس لئے ہے کہ ایمان و اسلام انسان کو بلند حوصلہ، وسیع النظر، بااخلاق، اور ہر کمال صفت کا مالک بنا دیتا ہے، مسلمان اللہ و رسول پر ایمان لانے کے بعد جب ان کے احکام پر چلتا ہے تو اسکی زندگی حسن و خوبی کا نمونہ بن جاتی ہے، اس میں فروتنی، انکساری، خیر خواہی، خدمت گذاری، اور نفع رسانی کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے، اور اخلاق و شرافت کے ساتھ دوسروں کی خدمت اور خیر خواہی کا جذبہ اسے انسانیت کے لئے بہت ہی مفید اور سود مند بنا دیتا ہے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

کل معروف صدقۃ، وان من المعروف ان تلقی اخاک بوجہ طلق، وان تفرغ من دلوک فی اناء اخیک۔

ہر نیکی کا کام صدقہ ہے، اور صدقہ میں سے یہ بھی ہے کہ تم اپنے کسی مسلمان بھائی سے ہنس مکھ ملاقات کرو، اور یہ کہ تم اپنے ڈول کا پانی اپنے کسی بھائی کے برتن میں ڈال دو۔

یعنی اسلام کی اونچی قسم کی نیکیوں اور حسنات میں جن کا درجہ صدقات و خیرات کے برابر ہے اور جو ثواب میں بہت ہی بلند مقام رکھتی ہیں یہ نیکیاں بھی شامل ہیں۔ جن کو عام طور سے لوگ اچھے اخلاق و عادات سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس سے زیادہ ان کو اہمیت نہیں دیتے، اپنے دوست احباب اور بھائی سے ہنسی خوشی سے ملنا۔ اور اس طرح کہ ملتے ہی بات چیت کرنا جس سے اسکو بہت کچھ خوشی مل جائے مومن کے اخلاق کریمانہ کا تقاضا ہے، اسکے برخلاف کسی سے ملتے وقت منہ گرائے رہنا، آنکھیں چڑھی رکھنا، بھویں تانے رکھنا، اور تلخی و ترش روئی کے انداز میں بات چیت کرنا اسلامی اخلاق سے بہت دور کی بات ہے، ایسے لوگ مغرور و متکبر ہوتے ہیں ان میں اسلام و ایمان کی لچک نہیں ہوتی۔

اسی طرح اسلام کی بلند نیکیوں میں سے یہ نیکی بھی ہے کہ جس بھائی کی خدمت جہاں تک ہو سکے کر دینی چاہیئے اور کسی خدمت کو معمولی سمجھ کر رکنا نہیں چاہیئے۔ حتی کہ پانی بھرتے وقت اپنے بھائی کے گھڑے میں پانی بھر دینا یا اس کا گھڑا بھی کنوئیں سے نکال دینا صدقات و خیرات کے برابر اجر کا باعث ہے۔

اسلام نے جن اخلاق سے انسانیت کو آراستہ کیا ہے اگر دنیا میں ان کا مظاہرہ ہو تو دنیا سکھ چین سے رہ سکتی ہے۔

حق و صداقت کی عید :-

مروان نے سب سے پہلے عید کی نماز میں خطبہ پہلے پڑھنے چاہا۔ مگر ایک عالی آدمی نے عیدگاہ ہی میں کھڑے ہو کر کہا کہ خطبہ سے پہلے نماز عید ہوتی ہے، اس پر

مروان نے جواب دیا کہ عیدگاہ کی بعض باتیں ترک کر دی گئی ہیں۔ مجمع میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بھی تھے، انہوں نے یہ حال دیکھ کر فرمایا کہ اس آدمی نے مروان کے خلاف آواز بلند کر کے اپنی ذمہ داری پوری کر دی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

من رای منکم منکرًا فلیغیرہ بیدہ، فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ، وذلک اضعف الایمان [1]

تم لوگوں میں سے جو شخص بھی کوئی برا کام دیکھے تو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے بدل دے، پس اگر اس کی استطاعت نہ پائے تو اپنی زبان سے اسکے خلاف آواز بلند کرے۔ اور اگر اسکی بھی طاقت نہیں ہے تو اپنے دل ہی میں برا مانے، اور یہ ایمان کا کمزور ترین مظاہرہ ہے۔

مروان بن حکم بنو امیہ کا بڑا ہی تیز طرار حکمراں گذرا ہے، اسکی زندگی بڑے کاٹ چھانٹ اور پیچ کی تھی حکومت پانے کے بعد اس کا مزاج اور بھی غیر معیاری بن گیا تھا۔ مگر ارباب حق و صداقت طاقت و شوکت کی پرواہ نہیں کرتے اور اہل صدق و صداقت قوت و جبروت سے ڈر کر اپنا فریضہ ادا کرنے سے باز نہیں رہتے۔ چنانچہ عیدگاہ میں جہاں تمام مسلمان جمع ہو کر اور عید کی خوشی منا رہے تھے، مروان کی غلط کاری اور بدعت پر ایک مسلمان نے اٹھ کر بروقت احتجاج کیا اور مروان کے نماز عید سے پہلے خطبہ دینے کو سنت اسلام کے خلاف ہونے کا اعلان کیا۔ اس وقت مشہور صحابی رسول حضرت ابو سعید خدری رض بھی عیدگاہ میں موجود تھے۔ انہوں نے اس آدمی کی حق بات کی تائید کی اور مروان کی بطش و شدت سے بے نیاز ہو کر یہ حدیث رسول بھرے مجمع میں سنا دی کہ جہاں اور جس کی طرف سے کوئی بری بات ظاہر ہو فورًا اسکے خلاف آواز بلند کرنی ایماندار کے لئے ضروری ہے۔

حق بات کہنے کے لئے وقت، جگہ اور شخصیت کے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ بات کہنے یا کرنے کا طریقہ اصلاحی ہو، فتنہ کا باعث نہ بنے، اسکے بعد اگر کوئی خواہ مخواہ اسے فتنہ بنا دے تو یہ اسکی شرارت ہے۔ عید مبارک کا یہ پہلو آج عید کے دن ہمارے معاشرے میں کہیں ظاہر ہوتا ہے یا نہیں؟ اور اس کی ضرورت ہے یا نہیں؟ -

تذکیر و تبلیغ کے آداب :-

حضرت شقیق رض سے مروی ہے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا دستور تھا کہ آپ ہمیں ہر جمعرات کو وعظ سنایا کرتے تھے، ایک مرتبہ ایک آدمی نے عرض کیا کہ اے ابو عبد الرحمن! ہمیں آپ کا وعظ بہت پسند ہے، اور ہم مزید مواعظ سننے کے خواہشمند ہیں۔ کیا

[1] مسلم شریف

اچھا ہوگا آپ ہمیں روزانہ وعظ سنایا کریں۔ یہ سن کر حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ میں صرف اس ڈر سے تم کو روزانہ وعظ نہیں سناتا کہ کہیں تم لوگ سنتے سنتے ملول نہ ہو جاؤ۔ اور گھبرانے نہ لگو۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قاعدہ تھا کہ آپ ہمیں ہفتہ کے کچھ دنوں میں وعظ سنایا کرتے تھے، اور روزانہ نہیں سناتے تھے کیونکہ آپ ناپسند فرماتے تھے کہ ہم گھبرا جائیں۔ [1]

اس حدیث سے وعظ و تذکیر کے سلسلے میں چند نہایت اہم اور ضروری باتیں معلوم ہوتی ہیں جن کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔

(۱) وعظ و تذکیر مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، اور پڑھنے پڑھانے کے علاوہ عوام کو دین و ایمان، دوزخ جنت، نیکی اور اللہ و رسول کی باتیں وقتاً فوقتاً بتائی جاتی رہیں تاکہ عوام کو اپنے دین و ایمان کی باتیں معلوم ہوتی رہیں اور وہ باقاعدہ درس گاہوں میں حاضر نہ ہونے کی وجہ سے دینی بصیرت اور مذہبی معلومات سے محروم نہ رہیں۔ قرآن و حدیث میں وعظ و تذکیر کی بڑی تاکید آئی ہے۔ اور مسلمانوں کے علماء کو اس کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲) دین و ایمان کی باتیں اور کام مسلمان کی زندگی کا سرمایہ ہیں۔ اور جب وہ اس سرمایہ سے خالی ہو جائیں گے تو دینی اعتبار سے مفلس بن جائیں گے، اس بات کے ملحوظ رکھنے کے بعد اس کا بھی لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دنیا کے کچھ اور کام بھی ہیں جن کا کرنا ضروری ہے، اور ان کے لئے اوقات مقرر ہیں، لہذا ہر وقت اور روزانہ وعظ و تذکیر کی مجلس برپا نہ کی جائے اور لوگوں کو پکڑ پکڑ کر اس میں نہ لایا جائے۔ کہ جائز ضروریات زندگی کے حصول میں اس سے خلل پڑے، یا طبیعت گھبرانے اور اکتانے لگے۔ اس کا خیال واعظ و خطیب اور مقرر و مذکر کے لئے نہایت ضروری ہے۔ جب تک مقرر اور واعظ اپنے سننے والوں کے اس نفسیاتی پہلو سے واقف نہیں ہوگا وہ اپنے سامعین کے دل و دماغ پر اپنے پیش کردہ حقائق کا نقش نہیں چھوڑ سکتا، اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ مسلمانوں کو دین بتانے کے شدید حریص تھے اور آپ کی زندگی ہی نبوت و رسالت کا پیکر تھی۔ لیکن اسکی رعایت فرمایا کرتے تھے، حتیٰ کہ صحابہ نے آپکے بعد آپ کو اس معاملہ میں بھی معیار بنایا۔

(۳) عوام کو دین و ایمان کی باتیں سننی چاہئیں، اور جہاں کہیں محفل وعظ ہو زیادہ سے زیادہ شریک ہو کر فائدہ اٹھانا چاہیئے، مجلس وعظ درحقیقت عوام اور کام دھندے میں مصروف لوگوں کا وقتی مدرسہ ہے، جس میں وہ شریک ہو کر دینی سبق حاصل کرتے ہیں، تعلیم کی ایک شکل یہ ہے کہ شاگرد پڑھے اور استاد پڑھائے اور دوسری شکل یہ بھی ہے کہ خود استاد پڑھے اور وہی سمجھائے، یہ دونوں طریقے اسلام میں ہمیشہ سے جاری رہے ہیں اور امت مسلمہ ان سے علم دین حاصل کرتی رہی ہے۔

[1] مسلم شریف

اہلِ دین وایمان کی صحبت :-

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے یقیناً تم لوگوں میں سے ہر ایک پر وہ وقت آنے والا ہے کہ وہ مجھے نہیں دیکھے گا۔ پھر اسکے نزدیک میری دید اسکے اہل و مال سے زیادہ پسندیدہ ہوگی۔ [1]

اس حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے فرماتے ہیں کہ میری معیت و صحبت کو تم لوگ غنیمت سمجھو، اور جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ حاضر باش رہ کر مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کرلو۔ اور دین کی باتیں سیکھ لو، ورنہ وہ وقت یقیناً آنے والا ہے جبکہ میں تمہارے درمیان نہیں ہونگا۔ اور تم میں سے ہر ایک کی خواہش اور آرزو ہوگی کہ بال بچے گھر بار کو قربان کرکے بھی میری ایک دید نصیب ہو جائے۔ اور وہ اسکے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے بخوشی تیار ہو جائے گا۔ مگر اس وقت یہ ممکن نہیں ہوگا کہ آج کی طرح ملاقات و معیت نصیب ہو سکے۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے دینی اور مذہبی بزرگوں اور عباد و صلحا کی صحبتوں کو غنیمت سمجھنا چاہیئے، اور حتی الامکان ان سے کسب فیض کرکے علمی، دینی اور روحانی و اخلاقی فائدہ حاصل کرنا چاہئے۔ دنیا میں اہل خیر اور ارباب تقویٰ و دیانت اپنی ذات سے ایک انجمن ہوتے ہیں۔ اور اس انجمن کا ہر شریک ہونیوالا شخص بعد میں ایک انجمن ہوتا ہے، اس طرح خیر و برکت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ اور دنیا میں صلاح و نیکی کی فضا قائم رہتی ہے۔

کواکب اور نچھتر کے پجاری :-

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ مقام حدیبیہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی، رات کی بارش کی وجہ سے کچھ کیچڑ ہو رہی تھی، آپ نماز سے فارغ ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم لوگوں کو معلوم ہے تمہارے رب نے کیا فرمایا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ اللہ اور اسکا رسول جانتے، آپ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میرے بندوں میں سے کچھ لوگوں نے مجھ پر ایمان لاکر صبح کی، اور کچھ لوگوں نے میرے ساتھ کفر کرکے صبح کی، جس نے کہا کہ اللہ کے فضل اور اسکی رحمت سے ہم پر بارش ہوئی تو یہ مجھ پر ایمان لانے والا ہے، اور ستاروں کا منکر ہے۔ اور جس نے کہا کہ فلاں فلاں نچھتر کی وجہ سے ہمارے یہاں بارش ہوئی تو وہ میرا منکر اور کواکب پر ایمان لانے والا ہے۔ [2]

اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جب بھی بارش ہوتی ہے تو مومن و کافر کی تفریق ہو جاتی ہے، ایک جماعت اللہ پر ایمان لاکر بارش کو اس کا فضل قرار دیتی ہے اور دوسری

[1] مسلم شریف [2]

جماعت اسے نچھتروں کی وجہ سے بتاتی ہے۔

ستاروں کے موثر ماننے پر کفر و انکار کا یہ حکم زبان رسالت سے ایسے لوگوں کے بارے میں ہے جو بظاہر دیکھتے ہیں کہ فلاں نچھتر کے چڑھنے کے بعد بارش ہوئی ہے یعنی وہ بظاہر ایک کھلا سبب دیکھتے ہیں، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جو لوگ بلا کسی ظاہری سبب کے ستاروں کے موثر ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، ان کے ایمان کا کیا حال ہوگا؟

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے علاوہ اسکی کسی مخلوق کو موثر حقیقی اور بالذات اثر ڈالنے والا نہیں ماننا چاہئیے البتہ اللہ تعالیٰ کو موثر حقیقی ہونے کا عقیدہ رکھ کر مجاز کے طور پر بات چیت اور محاوروں کے طور پر ظاہری اسباب کی طرف نسبت کی جاتی ہے تو کفر نہیں ہوتا۔

انسانیت کی باتیں :-

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے انسانی تعلقات اور باہمی میل ملاپ کے بارے میں اسلامی نقطہ نظر سے چند باتیں بیان فرمائی ہیں، ان کو ملاحظہ فرمائیے۔

اذا احببت اخاً، فلا تمارہ، ولا تشارہ، ولا تسأل عنہ فعسی ان توافی لہ عدواً فیخبرک بما لیس فیہ، فیفرق بینک وبینہ[1]

. . . .

جب تم اپنے کسی بھائی سے محبت کرو تو اس سے جھگڑا مت کیا کرو، اور اسکے ساتھ برائی مت کیا کرو، اور اسکے بارے میں لوگوں سے پوچھا مت کرو، ہوسکتا ہے کہ تم اسکے کسی دشمن کو پا جاؤ اور اس سے پوچھو تو وہ تم کو ایسی باتوں کی خبر کرے جو اسکے اندر نہیں ہیں اور دونوں میں جدائی کرادے۔

حضرت معاذ بن جبلؓ کی یہ چند باتیں انسانیت کے لئے شیرازہ بندی کا کام دے رہی ہیں، اور تعلقات دوستی کی روح ان میں جلوہ فرما ہے۔ کس قدر اہم اور مفید باتیں ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب تمہاری دوستی کسی ایسے بھائی سے ہوجائے جس کے بارے میں تم کو یہ نہیں معلوم ہے کہ اسکا حال کیا ہے مگر تم اسے اچھا دیکھ رہے ہو، اس نے تمہارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی ہے، اور وہ بظاہر بھلا انسان معلوم ہوتا ہے تو تم اس سے لڑائی جھگڑا مت کرو۔ اپنی بڑائی جتلانے کے لئے اسے نیچا مت دکھاؤ۔ اور بات بات پر تو تو میں میں مت کیا کرو۔ دوستی میں یہ بے تکلفی نہیں ہوگی بلکہ بے تعلقی ہوجائیگی۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر تمہارا نیا دوست سیدھا سادا اور نیک شریف ہے تو تم اسے تکلیف دینے اور بیوقوف کے پھیر

[1] الادب المفرد

میں مت رہو، اور اسکے ساتھ شر اور برائی کا معاملہ مت کرو۔ ورنہ وہ اس بدخصلتی سے کبیدہ خاطر ہوکر دوستی کا ہاتھ کھینچ لے گا اور تیسری بات یہ ہے کہ جس آدمی سے تمہاری دوستی ہوگئی ہے اور تم اس میں کوئی خرابی نہیں دیکھتے تو اس کے متعلق ادھر ادھر لوگوں سے اسکے بارے میں قسم قسم کی اندرونی اور بیرونی باتیں مت پوچھا کرو۔ ورنہ ہوسکتا ہے کہ تم کو اسکا کوئی دشمن مل جائے اور اسکی خوب خوب برائی کرکے تم کو اس سے خواہ مخواہ برگشتہ کردے، اور تم اپنے ایک بھائی سے محروم ہوکر اس کے بارے میں بدظنی میں مبتلا ہوجاؤ۔ یہ انسانیت کی باتیں ہیں، ان کو سیکھ کر انسان بننے کی کوشش کرو۔

مقبولانِ بارگاہ خداوندی کی دعائیں :-

ایک حدیث میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

ثلاثة لا ترد دعوتهم، الصائم حتی یفطر، والامام العادل، ودعوة المظلوم یرفعها الله فوق الغمام ویفتح لها ابواب السماء، ویقول الرب وعزتی لانصرنك ولو بعد حين[1]

. . . .

. . . .

تین آدمیوں کی دعائیں رد نہیں کی جاتی ہیں۔ (۱) روزہ دار کی دعا افطار کرنے تک۔ (۲) انصاف کرنے والے حاکم کی دعا، (۳) مظلوم کی دعا، اسے اللہ تعالیٰ بادل کے اوپر لیجاتا ہے۔ اور اسکے لئے آسمان کے دروازے کھولتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری عزت کی قسم میں تیری ضرور بالضرور مدد کروں گا اگرچہ اس میں کچھ دیر سویر ہو۔

دعا کرنا۔ اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی عبدیت و بندگی کے سہارے اچھائی کے لئے عرض و معروض کرنا۔ اچھی دعا کرنا اور اپنے پروردگار سے اپنے لئے، دوسروں کے لئے دین و دنیا کی نیکی اور بھلائی کی خواہش کرنا بندے کی بہت ہی نیک اور قابل قدر تمنا ہے۔ اسکی یہ ادا اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ اور وہ اسکی طرف خصوصی توجہ فرماتا ہے اور اپنے لئے یا دوسرے کے لئے بری دعا کرنا، بدخواہی کرنا اور برے حالات کی تمنا نہایت بری بات بلکہ بعض میں حرام ہے۔ لیکن اگر حالات کچھ ایسے ہی ہوں اور بددعا مجبوراً کرنی ہی پڑے تو اللہ تعالیٰ اسے بھی قبول فرماتا ہے۔

دعا کی قبولیت کے لئے کچھ شرائط اور حدود ہیں جن کی وجہ سے وہ بارگاہ الٰہی میں باریاب ہوتی ہیں، خود دعا کرنے والے کی ذات کی استعداد و صلاحیت کو بھی اس میں بڑا دخل ہے۔ حرام دعا اور حرام کار کی قبول نہیں ہوتی، ظلم و ستم کرنے والے کی دعا کبھی قبول نہیں ہوتی۔ جن لوگوں کی دعائیں خاص طور سے مقبول ہوتی ہیں وہ تین قسم کے آدمی ہیں پہلی قسم کے روزہ داروں کی ہے روزہ دار کی دعا بہت ہی زیادہ قبولیت کی استعداد رکھتی ہے، اور روزہ دار آدمی جو دعا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ اس نے صرف اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے لئے اپنے کو بھوکا پیاسا رکھا ہے

[1] ترمذی، مسند احمد

بخار کا وقت کہنا چاہیئے کہ ایک طرح سے جسم کے لئے موسم تطہیر ہوتا ہے جس میں بدن کا جوڑ جوڑ تپ تپا کر پاک و صاف ہوتا ہے۔ اور گوشت، پوسٹ اور ہڈی، جوڑ اعرض کہ سب کچھ اس بھٹی میں پڑ کر گرد وغبار سے صاف ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اسی نقطہ نظر سے بخار کو اپنے تمام امراض میں سب سے زیادہ محبوب فرماتے تھے کہ اسکی وجہ سے بدن کا جوڑ جوڑ اجر و ثواب کا مستحق بن جاتا ہے، اور ایک ہی بات میں سارا کام نکل جاتا ہے، جب دل و دماغ میں خوبی پیدا ہوتی ہے تو اس طرح ہر چیز اچھی بن جاتی ہے۔

بیماروں کی دعائیں :- ایک مرتبہ صحابی رسول حضرت ابو نخیلہ رضی اللہ عنہ سے بحالت مرض لوگوں نے دعا کرنے کی درخواست کی انہوں نے یوں دعا فرمائی۔

اللھم انقص من المرض ولا تنقص من الأجر ۔ — اے اللہ! مرض کم کر دے مگر اجر کم نہ کر۔

یہ سنکر لوگوں نے مزید دعا کے لئے درخواست کی تو فرمایا۔

اللھم اجعلنی من المقربین ، — اے اللہ! تو مجھے اپنے مقربین سے بنا لے۔

واجعل امی من الحور العین [1] — اور میری ماں کو جنت کی حوروں میں سے بنا دے۔

بیماری کے زمانہ میں مریض کی دعائیں اجابت و قبولیت کی بڑی قوت پیدا ہو جاتی ہے، او بیمار اپنے مالک و مولا سے قریب ہو کر اپنا تعلق مضبوط کر لیتا ہے، اسی بیماری میں بار بار یاد کرتا ہے، اسی سے صحت کی آس لگائے بستر مرض پر پڑا پڑا وہ واستعمال کرتا رہتا ہے، اور کروٹ کروٹ اللہ کا نام لیتا ہے۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم مریض اور بیمار سے اپنے لئے دعا کی درخواست کیا کرو، اسکی دعا مقبول ہوتی ہے۔

یہاں پر حضرت ابو نخیلہ کی دعا اپنے ہی حق میں ہے اور لوگوں کی درخواست پر انہوں نے جو دعا فرمائی اس میں بھی اللہ کی تقدیر پر رضا مندی، اور بندگی کا اظہار ہے۔ اور بتایا ہے کہ بیماری کا ہو مگر اس پر جو اجر و ثواب ملتا ہو اس میں کمی نہ ہو۔ پھر دوبارہ دعا کر کے بتایا کہ بہر حال بندہ کا مقصود قرب الٰہی ہے اور خدا کی رضا مندی ہے، مرض کم ہو یا نہ ہو قرب الٰہی میں رضا ضرور ہو۔ مرض و صحت کو دوام و ثبات نہیں ہے۔ بیماری عارضہ ہے اور صحت چند روزہ ہے اور بقاء و دوام رشتہ عبودیت کے لئے ہے، جو بندے کا اسکے مالک و مولا کے ساتھ ہوتا ہے۔

فقہی مسائل میں فقہاء کی دیدہ کا دشیں :- مکہ مکرمہ سے ایک فرسخ کی دوری پر ہے، اور حدود حرم میں داخل ہے، اس کا طول دو میل کا ہے، آیا حج

اور اللہ کی دی ہوئی بہت سی نعمتوں کو اپنے اوپر حرام کر لیا ہے۔ وہ عبدیت و بندگی کے انتہائی مقام پر ہوتا ہے، خاص طور سے افطار سے کچھ دیر پہلے کی دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ جب کہ بندہ دن بھر بھوکا پیاسا رہ کر افطار کے لئے ہمہ تن شوق بنا رہتا ہے، اور اسکی بے تابی و بیقراری کا نہایت ہی حسین و جمیل سماں ہوتا ہے۔ دوسری قسم ان حاکموں اور دنیاوی نظام سنبھالنے والوں کی ہے .... جو عدل و انصاف سے کام لیتے ہیں اور ہر طرف مساوات انصاف، اور برابری کی فضا پیدا کرتے ہیں۔ ایسے حاکم اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت زیادہ باریاب ہونے کی استعداد رکھتے ہیں۔ تیسری قسم مظلوموں کی ہے جن کو ناحق ستایا جاتا ہے۔ ان کی حق تلفی کی جاتی ہے اور ان کو زندگی اور انسانیت کی جائز قدروں سے محروم کیا جاتا ہے، ایسے لوگوں کی دعا بہت زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ مگر دعا کی قبولیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جوں ہی بندہ زبان سے ادا کرے فوراً قبول ہی ہو جائے بلکہ اللہ تعالیٰ دعا کو دیر سویر قبول فرماتا ہے۔ اور قبولیت کی نوعیت الگ الگ ہوتی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ بندے کے حق میں مفید کرتا ہے اسی پہلو سے قبولیت کو ظاہر فرماتا ہے۔

مقام صبر و شکر کی بلندی :- مرض و صحت اور بیماری و تندرستی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، صحت و تندرستی اللہ کی بہت بڑی نعمت سمجھ کر اسکا شکر ادا کرنا چاہیئے اور نیک کام کرنے چاہئیں اور بیماری و مرض کو اسکی طرف سے ابتلاء آزمائش قرار دے کر اس پر صبر و شکر ادا کرنا چاہیئے اور اس آزمائش سے کامیابی کے ساتھ ... نکلنے کی کوشش کرنی چاہیئے، بیماری میں صبر و شکر سے درجات بلند ہوتے ہیں گناہ کم ہو جاتے ہیں اور اس پر اجر و ثواب ملتا ہے۔ اسی لئے اہل ایمان اور اہل دل ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ "الحمد للہ علی کل حال" ان کا نعرہ ہوتا ہے۔

ذہن و فکر کی اس بلندی پر جب بندہ پہونچ جاتا ہے تو اسے اللہ کی دی ہوئی بیماری سے محبت ہو جاتی ہے۔ مشہور صحابی رسول حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے۔

ما من مرض یصیبنی احب الی من الحمی، لانھا تدخل فی کل عضو منی۔ وان اللہ عز وجل یعطی کل عضو قسطہ من الاجر۔ [1] — کوئی مرض جو مجھ کو لاحق ہوتا ہے بخار سے زیادہ پسندیدہ نہیں ہے، کیونکہ بخار میرے جسم کے ہر حصہ میں پہونچ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ بدن کے ہر حصہ کو اس کا اجر دیتا ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کو ہر تکلیف پر صبر کرنے کی وجہ سے اجر ملتا ہے حتیٰ کہ اگر اسکو ایک کانٹا بھی چبھتا ہے تو اسکی تکلیف پر بھی ثواب ملتا ہے۔

---

[1]

میں آباد ہو جاتا ہے اور سال کے باقی دنوں میں غیر آباد رہتا ہے۔ البتہ وہاں پر محافظین اور نگرانی کرنے والوں کی ایک چھوٹی سی جماعت رہا کرتی ہے۔ امام ابوالحسن کرخی رح کا قول ہے کہ منیٰ میں جمعہ جائز ہے کیونکہ منیٰ اور مکہ دونوں گویا ایک ہی شہر ہیں۔ امام ابوحنیفہ رح منیٰ میں جمعہ کے جواز کے قائل نہیں ہیں کیونکہ دیہات میں جمعہ نہیں ہونا چاہیئے۔

امام ابوحنیفہ اور امام ابوالحسن کرخی دونوں ہی ایک مسلک کے بزرگ ہیں۔ ایک تیسرے حنفی امام فقیہ امام ابوبکر جصاص نے ان دونوں بزرگوں کے اختلاف کو ذہن میں رکھا اور جب حج کے لئے تشریف لے گئے اور ان دونوں کے درمیان کی دوری دیکھی تو امام ابوالحسن کرخی کی دلیل کو کمزور سمجھا کہ مکہ اور منیٰ دونوں مل کر گویا ایک شہر ہیں۔ بلکہ کہا کہ منیٰ مستقل ایک اسلامی شہر ہے جو ایک وقت آباد ہو جاتا ہے۔ اور ایک وقت غیر آباد ہو جاتا ہے اور باشندوں سے کسی وقت اس کا خالی ہونا اس کو شہر ہونے کے خلاف نہیں ہے۔ بلکہ اس کی شہریت باقی رہتی ہے۔ امام قاضی ابوالحسین قزوینی رح بھی منیٰ کے بارے میں اسی رائے کو مانتے ہیں۔ مقدسی بشاری کا بیان ہے کہ ایک دن قاضی ابوالحسین قزوینی نے مجھ سے دریافت کیا کہ درمیان سال میں منیٰ کے اندر کتنی آبادی رہا کرتی ہے۔ میں نے بتایا کہ بیس تیس آدمی رہتے ہیں۔ اور شاید ہی کوئی ایسا خیمہ ہو جس میں کوئی عورت اس کی حفاظت نہ کرتی ہو۔ یہ سن کر قاضی ابوالحسین قزوینی نے کہا ابوبکر جصاص نے درست کہا کہ واقعی منیٰ ایک مستقل شہر ہے جس میں جمعہ جائز ہے۔ اس کے بعد جب میں نے فقیہ ابوحامد بغولنی سے نیشاپور میں ملاقات کی، اور اس واقعہ کو بیان ان سے کیا تو انہوں نے کہا منیٰ میں جمعہ کے جواز کی وہی علت صحیح ہے جسے امام ابوالحسن کرخی نے بیان کیا ہے کہ منیٰ اور مکہ دونوں مل کر ایک شہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ پھر قربانی کے جانور کا مقام بیت عتیق میں ہے۔ اور فرمایا ہدیٰ (قربانی کا جانور) کعبہ پہنچنے والا ہے (یہ آیات کا ترجمہ ہے) اور قربانی منیٰ میں ہوتی ہے۔ پس بیت عتیق اور کعبہ کا اطلاق منیٰ کو بھی مکہ ہی میں شامل کر رہا ہے۔ [1]

اس لمبے چوڑے واقعہ کا مقصد کوئی فقہی مسئلہ بیان کرنا نہیں ہے اور نہ دیہات میں جمعہ کے جواز اور عدم جواز کی بحث مقصود ہے۔ بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ حضرات ائمہ اسلام اور فقہائے دین نے فقہی مسائل اور جزئیات و فروعات کے استخراج و تحقیق میں کیسی کیسی کاوشیں کی ہیں اور قرآن و حدیث کے ساتھ عمرانیات، جغرافیہ اور شخصی معلومات سے کام لیکر دین کے معاملات میں غور کیا ہے۔ ان فقہائے اسلام کی باتوں کو صرف ان کی ذاتی تحقیق سمجھنا اور ان کی اہمیت کو نہ محسوس کرنا بڑی غلطی ہے۔ اور ہمارے علماء کو چاہیئے کہ وہ قدماء کی طرح اس زمانہ میں بھی نئے علوم و فنون سے تعلق پیدا کر کے دینی امور میں معلومات فراہم کریں اور ان کی بنا پر جزئیات کا صحیح پتہ چلائیں۔

امام ابن سمسار ہمدانی رح:- امام حافظ ابوالفضل صالح بن احمد تمیمی ہمدانی متوفی شعبان ۳۸۴ھ رحمۃ اللہ علیہ ابن السمسار کے لقب سے مشہور ہیں۔ نیز ان کو ابن الکوملاذ بھی کہتے تھے۔ آپ ہمدان کے

[1] احسن التقاسیم ص ۷۶

مسلم محدث تھے۔ امام ابن ابی حاتم رازی وغیرہ سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ بڑے دیندار بزرگ اور عالم باعمل تھے۔ حق بات کہنے میں کسی چھوٹے بڑے کی پرواہ نہیں کرتے تھے، اور اس میں کسی قسم کی مصلحت اور رعایت کا خیال نہیں فرماتے تھے۔ علم حدیث میں متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ ان کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ

والدعاء عند قبره مستجاب — ان کی قبر کے پاس دعا کی جاتی ہے تو مقبول ہوتی ہے۔

یعنی ان کی قبر کے پاس جا کر قبر کی زیارت کی جاتی ہے اور مقام و موقع کی برکت کے پیش نظر وہاں پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے۔ بہت سے اوقات اور مقامات میں اللہ تعالیٰ نے خیر و برکت رکھی ہے۔ اور وہاں پر دعائیں مقبول و مستجاب ہوتی ہیں۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ خود صاحب مقام اور اہل قبر سے دعا مانگی جاتی ہے تو مقبول ہو جاتی ہے بلکہ دعا اللہ سے مانگی جاتی ہے، اور وہی قبول فرماتا ہے۔ جس طرح حرمین شریفین اور دوسرے مقامات میں بہت سے مواقع دعا کی قبولیت کے لئے مشہور ہیں اور وہاں پر دعا کرنے سے اللہ تعالیٰ اس میں قبولیت کا شرف دیتا ہے۔

دینی تقریب پر اظہار شکر:- امام ابوالفضل صالح بن احمد تمیمی ہمدانی نے جب علم دین حاصل کر لیا اور عالم و فاضل ہو کر دوسروں کو پڑھانے کی ابتدا کی تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کی نیت سے بہت زیادہ صدقات و خیرات کے کام کئے اور اپنے اساتذہ اور محدثین کو خوب خوب نوازا۔ اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی وسعت دی تھی، اس لئے دل کھول کر علمائے اسلام اور محدثین کرام کی خدمت کی، ان کے تذکرے میں ہے کہ۔

وهو الذي لما املى الحديث، باع طاحونا له بسبعمائة دينار، ونثرها على المحدثين۔ [1]

آپ نے جب حدیث کا املاء شروع کرایا اور مسند درس کو رونق بخشی تو اپنی ایک چکی کو سات سو دینار پر فروخت کیا اور یہ رقم محدثین پر نچھاور کر دی۔

سات سو دینار کا مطلب موٹے حساب کی رو سے چالیس ہزار روپیہ ہوا۔ یہ چالیس ہزار کی رقم محدثین اور علماء اسلام پر اس تقریب میں خرچ کی گئی کہ ان کے ایک شاگرد نے

خزانوں اور دفینوں کی روایات:- تیونس میں ایک پہاڑ کے دامن میں سینکڑوں کی تعداد میں مزارات ہیں، جو زمانہ کے انقلاب سے بکھری ہوئی ہیں۔ یہ ان مجاہدین اسلام

[1] العبر ج ۳ ص ۲۵

کی قبریں ہیں، جو حضرت عقبہ بن نافع رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ۴۹ھ کے مشہور معرکہ میں کام آئے تھے، نیز کچھ اور لوگوں کی قبریں اس دامنِ کوہ میں ہیں۔

ان قبروں کے بارے میں عوام میں نسل در نسل یہ بات مشہور چلی آتی ہے کہ یہاں پر خزانے اور دفینے ہیں تین ہزار سال پہلے اہل قرطاجنہ جو یہاں، فاتح بن کر آئے اور حکومت کی تو اسی زمانہ میں انھوں نے یہ خزانے دفن کئے ہیں، قرطاجنہ کی حکومت کے بعد یہاں پر رومیوں کی حکومت ہوئی، اور اسکے بعد اسلامی حکومت قائم ہوئی۔

اس طرح کے خزانوں اور دفینوں کی روایتیں پرانے زمانے میں بہت زیادہ مشہور ہوا کرتی تھیں۔ اور لوگ اس پر عقیدہ جما کر تلاش و جستجو میں رہا کرتے تھے۔ اسی افریقہ کے خزانے کے بارے میں علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ تیونس کے طلبا، ایک زمانے میں لوگوں کے پاس جاتے تھے اور ان سے خزانے نکالنے اور دفینہ بتانے کے نام پر پیسے وصول کرتے تھے۔ عوام اس طرح کے چکر میں خوب آتے ہیں آج کل بھی لوگ نوٹ کو ڈبل کرانے کے چکر آکر بعض مرتبہ اچھی خاصی رقم سے ہاتھ دھو دیتے ہیں۔

ہر زمانہ میں اس قسم کے تماشے اور کمانے پینے کے ذرائع رہا کئے ہیں۔ اور چالاک لوگ ان سے اپنا کام چلاتے رہے ہیں۔

حقیقت اور پروپیگنڈا :- ایک عربی رسالہ میں تیونس کے حالات میں لکھا ہے کہ تیونس کے عوام بہت ہی صلح پسند اور امن پرور ہیں، ان کی سلامتی طبع اور انسانیت کا یہ حال ہے کہ فرانسیسی استعمار کے بعد جمہوریہ تیونس میں پانچ سال کی مدت صرف ۲۶ شخص قتل کئے گئے ہیں۔ ان کی امن پسندی کی حالت دیکھ کر جولائی ۱۹۵۷ء میں ہی فرانسیسی حکومت نے پورے ملک سے سرکاری کچہریاں اور عدالتیں ختم کر دی تھیں۔ اور تیونس کے عوام اپنے مقامی قوانین پر چل رہے۔ جو دور حاضر کے تقاضوں اور اسلامی قوانین کی پوری رعایت کے ساتھ مقامی زندگی کے مطابق بنائے گئے ہیں۔

اس پُرامن بستی کا حال آپ نے اس سے پہلے کسی بڑے اخبار یا رسالے میں نہیں دیکھا ہوگا، اور نہ کسی ریڈیو وغیرہ سے سنا ہوگا۔ لیکن اگر یہی بات بلکہ اس سے ہزاروں درجہ کم یورپ کے کسی بھی علاقے میں پائی جاتی تو وہاں کے اخبارات، ریڈیو اور خبروں کے ذرائع دنیا کو سر پر اٹھا لیتے اور ہم آپ اس قدر مرعوب ہو جاتے کہ دنیا بھر میں یورپ کی یہ بستی ہمارے نزدیک فرشتوں کی بستی معلوم ہوتی۔ مگر چونکہ یہ تیونس کے انسانوں کی زندگی کا حال ہے اس لئے اسے کوئی نہیں جانتا۔ اور یہ کوئی ایک بات نہیں ہے، بلکہ اسی طرح بہت سے حقائق ہیں جو دنیا میں پائے جاتے ہیں، اور لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ مگر شہرت اور پروپیگنڈا سے ان کو کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ اپنے کام سے کام ہوتا ہے۔

توہم پرستی کا دلچسپ قصہ :- توہم پرستی قدیم دنیا کا ورثہ ہے جو آج تک مختلف ممالک میں مختلف پیرائے

میں چلا آ رہا ہے۔ خود یورپ جو اپنے روشن خیال اور علم و فکر کا استاذ عالم قرار دیتا ہے وہاں پر بے شمار اوہام پرستی موجود ہے، اور عوام میں عجیب و غریب جنسی خیالات، لغو گمان اور جاہلانہ تصورات پائے جاتے ہیں۔

اسلام نے ان لغو حرکتوں کے خلاف بڑی شدت سے جہاد کیا ہے۔ اور بحق توحید ہر قسم کی جاہلانہ و خیالات کو یکسر ختم کر کے انسانوں میں تازگی، نشاط اور بلند ہمتی بخشی ہے۔ مگر جہاں اسلام کی روشنی ابتک نہیں پہونچی ہے وہاں اوہام پرستی اور فرسودگی خیال کا وہی زور باقی ہے جو ہزاروں سال پہلے تھا، اور چونکہ انسانی خیالات بھی مرتسم ہو کر اس کو مبتلائے فریب رکھا کرتے ہیں اس لئے انسانوں کی وہم پرستیاں ان کے سامنے حقائق بنکر آیا کرتی ہیں۔ اور جن باتوں کو ہم آپ قصہ کہانی سمجھکر بڑی دلچسپی سے پڑھتے اور سنتے ہیں وہ ان کے نزدیک واقعات و حقائق کا درجہ رکھتی اور ان پر ان کے یہاں عمل در آمد ہوتا ہے۔ اسی قسم کی ایک دلچسپ کہانی سنئے، اور عبرت حاصل کیجئے۔

بعض اوقات دنیا کے دور اُفتادہ حصوں سے عجیب و غریب خبریں ملتی ہیں۔ افریقہ کے کچھ قبائل میں یہ بات مشہور ہے کہ کچھ مرد اور عورتیں چیتے بن جاتے ہیں۔ ایسی ہی ایک اطلاع ہوکانگ کی خوابیدہ وادی سے موصول ہوئی ہے کہ یہاں ایک ایسے نئے شادی شدہ خاوند جوبہ دیکھنے کے بعد کہ اس کی دلہن رات کے وقت "شیرنی" بن جاتی ہے۔ اپنا گھر بار چھوڑ کر کسی دور دراز مقام میں منتقل ہو گیا ہے۔ اس لڑکی کا نام گیار باکات ہے۔ گاؤں بھر میں اسکے حسن کا چرچا تھا لیکن کوئی بھی نوجوان اس سے شادی کرنے کو تیار نہ تھا۔ کیوں کہ سارے گاؤں میں مشہور تھا کہ سن بلوغ اختیار کرنے کے بعد اس لڑکی کی یہ عادت بن چکی ہے کہ خود کو "شیرنی" کے قالب میں ڈھال لیتی ہے۔ اس کی بیوہ ماں کو اس حقیقت کا علم تھا لیکن اسنے جان بوجھ کر چپ سادھ رکھی تھی کیوں کہ اسے ڈر تھا کہ اگر اسنے یہ بات مان لی تو کوئی بھی نوجوان اسکی بیٹی سے شادی کرنے کو تیار نہ ہوگا۔ آخر ایک بڑا بہادر نوجوان گاؤں آتنگ میدان میں نکلا اسنے گیار باکات سے آنکھیں لڑائیں، محبت ہو گئی اور دونوں نے فروری کے آخر میں شادی کر لی۔۔ لیکن شادی کے چند ہی روز بعد اس کے شوہر کو پتہ چلا کہ آدھی رات کے بعد اس کی دلہن بستر سے غائب ہوتی ہے۔ ایک رات اس نے جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر رکھیں۔ جب اسکی دلہن چپکے سے بستر سے اٹھ کر گھر سے باہر نکل تو اسنے باہر سے کسی جنگلی درندے کی چیخ سنی، اس نے اپنی ساس کو جگایا۔ اس نے لیمپ تھاما اور دلہن کی ماں نے جھاڑو اٹھائے ہوئے تعاقب کیا۔ لیمپ کی روشنی میں گاؤں آتنگ یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ اسکی بیوی کے منہ سے خون ٹپک رہا تھا اور اسنے اپنے ہاتھوں میں سور کا چھوٹا سا بچہ تھام رکھا ہے وہ شیرنی کی مانند بھیانک اور وحشی نظر آ رہی تھی۔ گاؤں آتنگ کا یہ حال تھا کہ کاٹو تو بدن میں خون نہیں، صبح ہوتے ہی اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی اور سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گیا۔ اب وہ سینکڑوں میل دور رہتا ہے۔

یہ انسانیت کی خیر خواہی ہے :- ہانگ کانگ کے ایک جیوتشی مسٹر سالائی پائی لی نے اپنے ایک بیان میں ہندوستان کے جیوتشیوں کا اس پر مذاق اڑایا تھا کہ آٹھ ستاروں کے اجتماع سے زمین پر تباہی آئے گی جبکہ ۳ر فروری کو آٹھ ستاروں کا میل اس جیوتشی کے نزدیک اس بات کا ثبوت ہے کہ دنیا میں

خوشحالی ہوگی، عوام خوشحال ہوں گے۔ اور تمام ممالک ایک دوسرے نظریات کو اچھی نظروں سے دیکھیں گے اور یہ سال انسانی فلاح وبہبود کا سال ہے۔

ہمارا ایمان وعقیدہ کسی جیوتشی پر نہیں ہے اور نہ ہم اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت میں کسی کو شریک کر کے عالم الغیب والشہادۃ تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارے نزدیک نہ ہندوستان کے جیوتشی اور نجومی کوئی حقیقت رکھتے ہیں اور نہ چین اور جاپان کے جوتشی اور نجومی قابل توجہ ہیں۔ اس کے باوجود ہانگ کانگ کے اس جیوتشی کے بیان کو اپنے ملک کے جیوتشیوں کے بیان کے مقابلہ میں زیادہ پسند کرتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ ہم دوسرے ممالک کو اپنے ملک کے مقابلہ میں ترجیح دیتے ہیں، بلکہ اس لئے اس میں انسانیت کے لئے تسلی وتشفی کی بات ہے اور عوام میں پریشانی، گھبراہٹ اور ہیجان پیدا کرنے کی صورت بہت معیوب ومنحوس ہے اور ایسے وقت میں لوگوں کی ڈھارس بندھانا اور ان کے لئے تسلی کی بات کرنا بجائے خود انسانیت کی ایک خدمت ہے، اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ ایک قسم سے انسانیت کی خدمت کرتا ہے۔

پھر نفسیاتی طور سے بھی انسان جیسا ذہن بناتا ہے اسے ویسے ہی حالات ملتے ہیں اور ہر معاملہ کو اپنے ذہن کے مطابق ڈھال لیتا ہے۔ اس لئے آفات ومصائب کے خطرات میں اچھے اچھے خیالات سے اچھی باتوں کی راہ ملتی ہے، اور پریشانی کے بجائے سکون ملتا ہے، پس جب مصیبت کا خطرہ ہو تو اپنے کو مطمئن کرنے کے لئے پہلے سے اپنے دل کو مضبوط کرنا چاہئے اور خوف کے بجائے سکون کی راہ تلاش کرنی چاہئے۔ یہی حکم دیانۃً بھی اور عادۃً بھی مفید ہوتا ہے۔ ذہن جیسا ہوتا ہے ویسے ہی حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اس کی مثال کے لئے سوچئے کہ آپ ریل پر بیٹھے ہیں تو اس کی رفتار کی آواز کیسی کیسی معلوم ہوتی ہے۔ آپ جو سوچیں گے ویسی ہی معلوم ہونے لگے گی۔ اسی طرح بہت سی باتیں جیسی سمجھو ویسی ہی معلوم ہوتی ہیں، عرب کے ماہرین نفسیات نے تو یہاں تک مثل کہدی ہے کہ "الخیال خالق" یعنی خیال اپنے مطابق خود چیزوں کو بنالیتا ہے۔ اس لئے ہمیشہ اچھے خیالات رکھنے کی ضرورت ہے تاکہ ہر بات میں اچھا پہلو نمایاں ہو۔

امداد کے پردے میں تسکین خواہش:- گانے بجانے اور ناچنے کے ذریعہ پیسہ جمع کرنا اور امدادی شو کے نام پر چند من چلوں کا رنگین پروگرام بنالینا آج کل ایک عام بات ہے، اور کچھ لوگوں نے سمجھ لیا ہے کہ اس طرح شہوانی جذبات کی تسکین بھی ہو جاتی ہے اور کسی ادارہ کے لئے اچھی خاصی رقم بھی جمع ہو جاتی ہے۔ اس طرح ناچنے گانے سے تسکین دینے اور پیسہ جمع کرنے کا کام بمبئی وغیرہ میں عام طور سے ہو رہا ہے، اب یہ وبا دور کے قصبات ودیہات تک میں پھیلنے لگی ہے، اور کسی انجمن، اسکول، اور مدرسہ کا نام لیکر منچلے قسم کے لوگ گانے بجانے کا پروگرام بنانے لگے ہیں۔ چنانچہ اس طرح کا ایک پروگرام ہمارے ضلع اعظم گڑھ قصبہ مئو میں ہونے والا تھا اور اسکے ذریعہ "مسلم انٹر کالج" کی مدد کی جانے والی تھی۔ مگر اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس کے منیجر جو ایک عالم دین ہیں، جب ان کو حقیقت حال

کا علم ہوا تو انہوں نے ہر طرح سے اس کی مخالفت کی اور صاف اعلان کر دیا کہ اس آمدنی کی ایک پائی بھی مسلم انٹر کالج پر خرچ نہیں کی جا سکتی اور حاکم ضلع کو اس پروگرام کے بند کرانے کی درخواست دیدی۔

بظاہر یہ بات ہمارے ظاہر بینوں اور سطح پسند لوگوں کے نزدیک بہت تنگ ذہنی کی معلوم ہوتی ہوگی اور اس سے نری ملائیت ٹپکتی ہوگی، مگر ہمارے نزدیک اس لعنت کے پہلے ہی سوراخ کو سختی سے بند کر دینا بہت مناسب اور بروقت کام ہوا۔ ورنہ یہ لت دور دور پھیلتی اور دوسرے گاؤں، دیہات اس طرح کے بیہودہ پروگرام سے ملوث ہوتے۔

ہم نے بارہا لکھا ہے کہ جو لوگ اس طرح سے اپنی خواہشوں کی تسکین چاہتے ہیں وہ اپنی ذات تک اسے محدود رکھیں۔ اس کے لئے جماعتی زندگی کو مجبور نہ کریں۔ اپنی علمی، ثقافتی اور فکری وتعلیمی اداروں کی امداد کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ اور لوگوں پر ان کے بارے میں ذمہ داریاں ہیں۔ ان کے لئے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ناچ گانا دیکھ کر اور سنکر اپنے اداروں کی امداد کریں، اور امداد کے نام پر لوگوں میں برائی پھیلائیں۔ یہ بات بڑی ناعاقبت اندیشی کی ہے۔ اور اسکے نتائج بہت خطرناک ہوں گے۔

عورتوں کا شیطانی لباس:- سعودی عرب کے ایک بااثر رسالہ نے اپنے یہاں عورتوں میں مغربی لباس پہننے کے بڑھتے ہوئے رجحان کے خلاف سخت انتباہ کیا ہے اور شیطانی فیشن کی شدید مذمت کی ہے جو فرزندات کی دلربائی کو اس منزل پر پہونچا دیتا ہے جہاں وہ تارک الدنیا اور خانقاہ نشینوں کے لئے بھی پریشان کن ہو جاتی ہے۔ رسالہ نے سعودی عرب کے حکام پر زور دیا ہے کہ وہ بے نقاب پھرنے والی عورتوں اور بالخصوص غیر ملکی عورتوں کے خلاف سخت کارروائی کریں۔ رسالہ نے لکھا ہے کہ یہ شیطانی رجحان روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور بالخصوص موسم گرما میں بہت تیزی سے پھیلتا ہے۔ عورتیں آج کل ایسے لباس میں بازار کو جاتی ہیں جن کی [illegible] شیطانی کارخانے میں تیار ہوئی اور جن کے پہننے سے عورت کے جسم کا سراپا اور خطوط نمایاں ہو جاتے ہیں۔

سعودی عرب کے اس رسالہ کو سو بار مبارکباد دینی چاہئے کہ اسنے نہایت بے باکی سے اس فحش رفتاری کے خلاف آواز بلند کی ہے جس نے عرب ممالک میں مستقل کوڑھ پیدا کر دیا ہے۔ عریانیت اور ننگاپن نے شیطان کو کھلم کھلا دعوت دے رکھی ہے، سعودی عرب کی حد تک تو ابھی غنیمت ہے کیونکہ یہاں ابھی تک یہ لعنت نہیں پھیلی ہے مگر دوسرے عرب ممالک مصر، شام، عراق، اور لبنان کا حال نہایت ہی برا ہے، اس شیطنت نے یہاں کی انسانیت کا قیمہ کر ڈالا ہے، مغربی تقلید میں ان کو نہ اپنے دین وایمان کی تعلیم کا خیال ہے، اور نہ اپنی قومی اور ملکی نخوت وشرافت کی روایات کا پاس ہے جو کچھ ہے وہ یہ کہ مغرب کی تقلید ہی سب کچھ ہے۔

فرصت کے دن کی مصروفیت:- آپ کو اپنے آفس، کارخانہ، دفتر، دکان، اور مشغولیت سے جس دن فرصت رہتی ہے۔ سوچئے کہ اس دن آپ کس قدر مشغول رہتے ہیں

یا کس قدر بے کار رہتے ہیں؟ ہمارا تو خیال ہے کہ چھٹی کا دن بہت ہی مشغولیت اور مصروفیت کا رہا کرتا ہے، تھا کوئی زمانہ جب چھٹی کے دن کاٹے نہیں کٹتے تھے۔ مگر اب تو حال یہ ہے کہ چھٹی کے دن آناً فاناً میں گذر جاتے ہیں، اور اس دن میں دنیا بھر کے سوچے کام رہ جاتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو خود بہت زیادہ مشغول و مصروف بنا لیا ہے، حتیٰ کہ فرصت کے دن عام دنوں سے زیادہ مصروف گذرتے ہیں اور اس دن بیحد مصروفیت ہوتی ہے۔

پرانے زمانے کی بات ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے لوگوں میں اتنی بھاگ دوڑ اور پریشانی نہیں رہتی تھی۔ کہ مسلمانوں کے یہاں جمعہ کا دن نہایت سکون و اطمینان اور فرصت کا ہوا کرتا تھا۔ اگر کوئی اس دن بھی مصروف ہوتا تھا تو لوگ اسے طعنہ دیا کرتے تھے کہ تم کو آج بھی فرصت نہیں ہے تو کب فرصت ملے گی؟ چنانچہ عربی کے مشہور شاعر بہاء الدین زہیر نے ایک شعر میں اس بات کو یوں بیان کیا ہے۔

إذا کنت مشغولا، وذا یوم جمعه -
ففی أی أیام تکن بلا شغل -

یعنی اگر تم آج جمعہ کے دن بھی مشغول ہو، تو بتاؤ پھر کون سے دن میں تم فرصت پا سکتے ہو؟

ہمیں چاہیے کہ اس زندگی کو آرام بھی دیا کریں اور آرام سے جو حصہ اسکے لئے قدرت نے مقرر کیا ہے اسے حاصل کریں۔ صحت و تندرستی کے لئے آرام کرنا بھی ضروری ہے جس طرح کام دھندا کرنا ضروری ہے۔

اظہار حیثیت کی ایک صورت :-

بعض لوگ میل ملاقات میں اپنا رکھ رکھاؤ ظاہر کرنے کی بہت ہی لطیف صورت اختیار کرتے ہیں۔ اور اپنی بڑائی اس طرح ثابت کرنے کے لئے کہ دوسروں کو پتہ نہ چلے وہ بڑی دور چلتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ ہماری چالاکی کا پتہ نہیں چلے گا اور بزرگی باقی رہے گی، حالانکہ ایسا نہیں ہوتا بلکہ ان کی چال فوراً کھل جاتی ہے، اور اپنے مقابل کی نظر میں ایک گونہ بیوقوف بن جاتے ہیں۔

مثلاً بعض لوگ اپنی اہمیت جتانے کی خاطر یہ کرتے ہیں کہ کسی مجمع میں ہوتے ہیں اور کوئی آدمی جو ان کی یا دوسروں کی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے آ جاتا ہے اور لوگ اس سے سلام و مصافحہ کرنے لگتے ہیں تو یہ آدمی ایک طرف پہلو کترا کر تماشا دیکھتا ہے جیسے وہ یہ منظر نہیں دیکھ رہا ہے۔ اور لاعلمی میں وہ سلام و مصافحہ کی رسم ادا نہ کر سکا۔ اور جب آنیوالا سابقہ تعارف کی بنا پر اسکی طرف سلام کے لئے لپکتا ہے تو اب بات بن جاتی ہے اور وہ شخص نہایت تپاک اور بے تکلف سے بڑھتا ہے اور سلام و مصافحہ کرکے ایک گونہ اپنی بے توجہی کی معذرت پیش کرتا ہوا عجیب و غریب شکل کا منہ بناتا ہے، اس صورت حال سے وہ ایک طرف لوگوں پر ثابت کرتا ہے کہ میری بھی ایک حیثیت ہے دیکھو کہ انھوں نے خود مجھ سے سلام و مصافحہ کیا اور دوسری طرف یہ ثابت کرتا ہے کہ افسوس کہ میں نے آپ کو دیکھا نہیں ورنہ دوسروں سے پہلے ہی میں بڑھ کر سلام و مصافحہ کرتا۔ حالانکہ یہ سارا پلان وہ پہلے سے بناتا ہے اور سمجھنے والے اسکو سمجھ جاتے ہیں۔

یہ حرکت عام طور سے ایسے لوگ کرتے ہیں جو احساس کمتری میں مبتلا ہوتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ موقع ہے کہ میں بھی اپنے کو نمایاں کر لوں۔ یہ تو ایک مثال تھی ورنہ اس طرح کی اور بھی کئی باتیں چالاکی کی بعض لوگ کرتے ہیں۔ جس سے وہ اپنے کو تسکین دیتے ہیں اور دوسروں کی نظر میں بے وقعت ہوتے ہیں۔

اپنے دوست و احباب سے بڑھ کر ملنا اور اس سے سلام و مصافحہ میں سبقت کرنے کی حرص اسلام اور انسانیت کے نزدیک بہت بڑی خوبی ہے اور جو لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں محترم سمجھے جاتے ہیں اور ان کی بے وقعتی نہیں ہوتی۔

یہی وجہ ہے کہ پورے عالم اسلام میں کشمکش برپا ہے۔ اور غالباً یہ صورت حال ابھی مدتوں باقی رہے گی۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ کی چھ باتیں :-

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ صلحائے امت میں بڑے بلند مرتبہ بزرگ گذرے ہیں۔ اور آپ کے مقامات عبدیت بہت بلند ہیں۔ احمد بن خضرویہ رازی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ بیت اللہ شریف کا طواف فرما رہے تھے، اسی اثناء میں ایک نیک آدمی سے ملاقات ہوئی، اس کے چہرے بشرے سے معلوم ہوا کہ آدمی نیک اور صالح ہے، پھر آپ نے اس سے فرمایا: تم کو اس وقت تک صلحاء و عباد کا درجہ نصیب نہیں ہو سکتا جب تک کہ تم اس سلسلہ کے چھ مقامات طے نہ کر لو،

(۱) وسعت و فراخی کا دروازہ بند کرکے عسرت و تنگی کا دروازہ کھولو،
(۲) عزت خواہی کا دروازہ بند کرکے ذلت و رسوائی سے مانوس ہونے کا دروازہ کھولو۔
(۳) آرام طلبی اور تن آسانی کا دروازہ بند کرکے جد و جہد کا دروازہ کھولو،
(۴) خواب شیریں کا دروازہ بند کرکے شب بیداری کا دروازہ کھولو،
(۵) مالداری کا دروازہ بند کرکے فقر و بے نیازی کا دروازہ کھولو،
(۶) امید کا دروازہ بند کرکے موت کی تیاری کا دروازہ کھولو۔

یہ باتیں اس زمانہ کی نہیں ہیں جس دور میں صوفیاء کا ایک الگ مشن بن گیا تھا اور اسکے یہاں تصوف کے قواعد و قوانین مرتب ہو کر نمایاں طور پر پیدا ہو گئی تھی بلکہ یہ اس زمانہ کی باتیں ہیں جب اسلام اور ایمان کے بعد احسان کو عبدیت و بندگی کا انتہائی معیار سمجھا جاتا تھا۔ اور ہر مسلمان ایمان و احسان کے مقام پر پہنچنے کی کوشش کتاب و سنت اور شرعی احکام و قوانین پر عمل کرکے کیا کرتا تھا۔ چنانچہ اوپر جو چھ باتیں بیان فرمائی گئی ہیں ان میں نہ کوئی بدعت ہے نہ غلو کا تصور ہے، نہ نمائش اور دکھاوے کی تعلیم ہے۔ اور نہ کسی خاص وظیفہ اور ورد کی تلقین ہے۔ بلکہ اپنے اخلاق اور اپنی

کو اس دنیا میں شاد کام و شاداں رکھنے اور بہترین بندہ بننے کی باتیں بتائی گئی ہیں، اور انسان دنیا کی ضروریات میں پڑ کر بھی ان پر عمل کر کے اپنے کو صلحاء و عباد میں شامل کر سکتا ہے، اس کا طریقہ یہ ہے کہ دنیا کی جائز ضروریات کو حاصل کر کے بھی ان سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان باتوں کو معیار زندگی بنا لیا جائے بقدر ضرورت زندگی کے حقوق پورے کئے جائیں، عزت و آبرو کے نام پر فرعونیت اور شیطنت کے بجائے فروتنی اور انکساری اختیار کی جائے، زندگی کو پرنشاط اور باعمل بنایا جائے، ناز و نعمت میں پڑ کر کسل و سستی اور تن آسانی کی عادت نہ ڈالی جائے، رات کا کچھ وقت عبادت کی جلا کے لئے دیا جائے اور مالداری کے باوجود لذت فقر سے آشنائی رہے تاکہ زندگی ہر سرد و گرم کے لئے مستعد رہے، اور اس پر غفلت کا آئینہ پردہ نہ ہو۔

کسی ناگہانی مصیبت پر نہ ہنسو

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک مرتبہ حج کے موقع پر منیٰ میں تشریف فرما تھیں۔ ان کے پاس کچھ قریش کے نوجوان آئے جو ہنس رہے تھے۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ کیوں ہنستے ہو۔ انہوں نے کہا کہ فلاں آدمی خیمے کی لکڑیوں اور رسیوں میں پھنس کر گر گیا اور اس کی گردن یا آنکھ کے ٹوٹنے یا پھوٹنے کی باری آگئی تھی۔ یہ سنکر ام المومنین نے ان سے فرمایا۔

لا تضحکوا فانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ما من مسلم یشاک شوکۃ فما فوقہا الا کتبت لہ بہا درجۃ ومحیت عنہ خطیئۃ [1]	اس بات پر تم لوگ نہ ہنسو کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس مسلمان کو کانٹا یا اس سے بھی کم درجہ کی کوئی چیز چبھتی ہے اس کے لئے ثواب کا ایک درجہ دیا اور ایک گناہ کم کیا جاتا ہے۔

کسی مصیبت پر ہنسنا اور خوش ہونا بجائے خود بہت ہی غلط قسم کی حرکت ہے، پھر کسی مجمع یا عام جگہ میں کسی کو ناگہانی طور پر ٹھوکر لگ جائے، کسی اور وجہ سے اس کو چوٹ آجائے، یا وہ گر جائے، اور اس پر چند لوگ ہنس کر مذاق اور ٹھٹھا اڑائیں تو یہ اور بھی گری ہوئی حرکت ہوگی، ایسے حال میں تو دکھ درد میں شریک ہونا چاہیے، رنج و افسوس کا اظہار کر کے ہمدردی کرنی چاہیئے اور ہو سکے تو مرہم پٹی کا بھی انتظام کرنا چاہیئے۔

اس طرح کی ناگہانی چوٹ، اور وقتی حادثہ انسان کو بڑا دکھ دیتا ہے، اور آدمی پہلے سے کسی قسم کے وہم و گمان کے بغیر یکبارگی رنج و پریشانی میں مبتلا ہو جاتا ہے، اس لئے وہ بڑا ہی قابل رحم بن جاتا ہے، اور اسکی وقتی مجبوری اور ناگہانی تکلیف اسے بے ساختہ مجبور انسان کے قالب میں ڈھال دیتی ہے۔ اور مومن و نیک بندہ تو بہت ہی خاص انداز میں بے ساختہ اللہ کا نام لیکر اپنا مداوا چاہتا ہے، اور عبدیت و بندگی کا عمل کر رہا ہوتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ توجہ فرماتا ہے۔

---

[1] طبقات الصوفیہ سلمی